© rasailojaraid.com

دل کی حقیقت ۔ قرآن کی نظر میں

ثاقب اکبر

ارشاد رب العزت ہے :

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

یعنی :

اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے نکالا تو تم کچھ نہ جانتے تھے البتہ اس نے تمہیں سماعت ، آنکھیں اور دل عطا کیے کہ شاید تم شکر گذار ہو جاؤ۔ (۱)

قرآن شریف میں دل کا مفہوم بیان کرنے کے لیے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ایک تو یہی "افئدۃ" جو مذکورہ بالا آیت میں آیا ہے اور دوسرا لفظ "قلب" جس سے اردو بولنے والے بھی مانوس ہیں۔ اس سلسلے میں سورہ حج کی یہ آیت ملاحظہ کیجیے:

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ

یعنی :

کیا وہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان کے دل ہوتے جن سے وہ عقل کا کام لیتے یا کان ہوتے جن سے وہ سنتے لیکن (حقیقت یہ ہے کہ ان کی) آنکھیں نابینا نہیں ہیں بلکہ (ان کے) وہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ (۲)

اس میں آپ نے مشاہدہ کیا کہ لفظ "قلوب" آیا ہے جو "قلب" کی جمع ہے قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں آپ نے دیکھا کہ یہ لفظ دو مرتبہ آیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ آپ آیت کے معنی پر ذرا غور کریں تو آپ پر اس لفظ کا قرآنی مفہوم آشکار ہوتا چلا جائے گا۔ قرآن شریف کی نظر میں "دل" کی حقیقت کیا ہے 'قرآنی آیتوں پر غور سے یہ بات آپ پر کھلے گی۔ یہاں فرمایا گیا ہے کہ کیا وہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان کے پاس دل ہوں جن کے ذریعے وہ تعقل کر سکیں' جن سے غور وفکر کا کام لے سکیں یا کان ہوں کہ جن سے وہ سن سکیں۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ دراصل ان کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ دل اندھے ہیں' جو سینوں میں ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ڈاکٹروں نے انسانی بدن میں جس دل سے ہمیں متعارف کروایا ہے بظاہر وہ اور ہے اور قرآن جس دل کا ذکر کررہا ہے وہ اور ہے۔ ڈاکٹروں نے دل کو خون کے لیے ایک پمپینگ مشین (pumping machine) کا نام دیا ہے۔ ابھی جو پہلی آیت آپ کی خدمت میں پیش کی گئی اس کے مطابق انسان اپنی ماں کے شکم سے نکلتا ہے تو کچھ بھی نہیں جانتا ہوتا: **لا تعلمون شیئاً** یعنی: تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن پھر یہ وجود "جاننے والا" کیسے ہوجاتا ہے۔ اس کے لیے فرمایا: تمہیں کان دیے 'شنوائی عطا کی۔ کونسی قوت شنوائی ؟ کان تو گدھے کے بھی ہوتے ہیں 'گھوڑے کے بھی ہوتے ہیں۔ کوچوان خاص طرح سے آواز نکال کر گھوڑے کو متوجہ کرلیتا ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ تمہیں آنکھیں دیں۔ لیکن آنکھیں تو کتے اور سُور کی بھی ہوتی ہیں ۔ جیسے ہمارے ماتھے کے نیچے کی آنکھوں کو نظر آتا ہے 'حیوانوں کو بھی عموماً دکھائی دیتا ہے ۔ پھر انسان کی کس سماعت وبصارت کا ذکر کیا جارہا ہے ؟ اس سوال کا جواب اگلے مراحل میں آرہا ہے ۔ ارشاد فرمایا کہ انسان کو دل بھی عطا کیا گیا ہے ۔ یہ سب کچھ دیا گیا کہ شاید تم شکر گذار ہوجاؤ '**لعلکم تشکرون**۔ شروع میں جب شکم مادر سے انسان نکلا تو "**لا تعلمون شیئاً**" کا مخاطب قرار پایا ۔ گویا کان 'آنکھیں اور دل انسان کی نادانی کو دانائی میں بدلنے کا وسیلہ ہیں اور دانائی انسان کو شکر گذار بنانے کا ذریعہ ہے ۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان ظاہراً علم تو لے کر نہیں آتا 'ماں کے پیٹ سے بے علم رونق افروز جہاں ہوتا ہے لیکن علم کے ذرائع ہمراہ لاتا ہے ۔ وسائل شناخت سے لیس ہوکر آتا ہے ۔ معرفت کے ذرائع ہمراہ لے کر وارد میدان ہوتا ہے ۔ علم کے ذرائع 'صلاحتیں اور استعداد اپنے پروردگار کی طرف سے لے کر آتا ہے ۔ اب اگر ان صلاحیتوں کو بروئے کار لائے تو شکر گذار بن سکتا ہے۔

اس آیت کے حوالے سے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سماعت 'بصارت اور دل کا ذکر تو اس میں آیا ہے لیکن زبان کا ذکر نہیں آیا ۔ اسی طرح لمس کرنے اور چھونے سے بھی انسانی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے 'اس کا بھی ذکر نہیں آیا ۔ یعنی حواس خمسہ میں صرف دو کا ذکر آیا ہے اور پھر دل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تذکرہ ہے ۔ اس سلسلے میں بہت سے نکات بیان کیے جاسکتے ہیں ۔ ہم یہاں جو زیادہ اہم معلوم ہوتے ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

ایک امر تو قابل ذکر یہ ہے کہ سماعت وبصارت کے ذریعے حصول علم کی طرف اشارہ کرکے اصولاً محسوسات کو سرچشمہ علم کے طور پر قبول کرلیا گیا ہے بلکہ علم ومعرفت کو پہلے مرحلے میں محسوسات کا رہین منت تسلیم کرلیا گیا ہے دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ محسوسات میں سے واقعاً سب سے زیادہ علم سماعت وبصارت ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے ۔ انسانی معلومات کا بنیادی سرچشمہ سماعت وبصارت ہی ہیں ۔ گویائی ،چھونا اور چکھنا وغیرہ کے مرحلے اصولا " سماعت وبصارت کے مرحلے سے گزر کرہی آتے ہیں ۔ آنکھیں جتنا دیکھتی ہیں ،جتنی کائنات مشاہدہ کرتی ہیں اس کے مقابلے میں زبان کا چکھنا ،ہاتھ کا چھونا اور ناک کا سونگھنا انتہائی محدود ہے ۔ آواز جتنی دور سے سنائی دیتی ہے ناک اس فاصلے سے سونگھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ۔ بہرحال ہر دو حوالے سے سماعت اور بصارت کے ذکر کو ہم من باب مثال یا اہم تر کا ذکر سمجھ سکتے ہیں۔

حواس سے حاصل کردہ معلومات انسان کے اندر سٹور (store)ہوتی رہتی ہیں ۔ یہ ذخیرہ خاص ترکیب و تجزیہ کے عمل سے گزرتا رہتا ہے ۔ یہ عمل انسان کا دماغ سرانجام دیتا ہے ۔ گویا خام مواد (Raw material) خاص شکل میں Develope ہوتا رہتا ہے ۔ اس کے بعد معلومات کے دل نشین ہونے کا مرحلہ آتا ہے ۔ معلومات کی بنیاد پر محسوسات سے حاصل کردہ خام مواد سے ذہن ،اصول بناتا رہتا ہے ۔ یہی معلومات اور اصول انسانی حرکت کے لیے بنیاد بنتے ہیں ۔ ان مراحل سے گزر کر انسان قدم اٹھانے کے قابل ہوتا ہے ۔ اس آیت میں اور بھی پہلو قابل غور ہیں لیکن ہم اپنے موضوع کے حوالے سے چند اور آیات قرآنی کا بھی جائزہ لیتے ہیں تاکہ واضح ہوکہ دل کا کردار قرآن کی نظر میں کیا ہے۔

سورہ نور کی ایک آیت ملاحظہ کیجیے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْاَبْصَارُ ۝

ایسے مرد ہیں کہ جنہیں تجارت اور لین دین اللہ کے ذکر ،قیام نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتا۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں تلپٹ ہوجائیں گے۔(۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بادی النظر میں اس آیت میں انہی مادی دلوں اور آنکھوں کا ذکر کیا گیا ۔ تاہم گہرا غور وفکر کیا جائے تو ان الفاظ کی معنوی حیثیت آشکار ہوجاتی ہے۔ قیامت کا دن نیتوں اور روحانی ملکات کے ظہور دبروز کا دن ہے ۔ دلوں اور آنکھوں کے الٹ پلٹ ہوجانے کا مفہوم اسی تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اب ایک اور آیت ملاحظہ کیجیے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ...

بادیہ نشین کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں ۔ کہیے: تم ایمان نہیں لائے ہو البتہ کہو: ہم نے سرتسلیم خم کرلیا ہے جبکہ ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔(۴)

آپ دیکھیں ایمان کا تعلق دل سے بیان کیا گیا ہے 'دماغ سے نہیں ۔ ایمان کا تعلق فقط عقلی مرحلے تک نہیں۔ ایمان کا جہاں بھی تعلق دکھائی دے گا دل سے دکھائی دے گا۔ سر جھک جانا 'سرتسلیم خم کرلینا ایمان لانے سے مختلف ہے۔ حالات کا جبر' ظاہری و وقتی مفادات کے پیش نظر ہوسکتا ہے انسان کسی چیز کو قبول کرلے لیکن یہ ایمان کی کیفیت نہیں ہوتی ۔ ایمان تو وفور شوق سے پوری قلبی کیفیات کے ساتھ قبول کرلینے کا نام ہے۔

یہاں میں آپ کو آیات وحی کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہوں گا ۔ وہ آیات جن میں نزول وحی کا ذکر ہے 'بتاتی ہیں کہ وحی کا تعلق بھی سینے اور دل سے ہے 'وہ بھی ذہن پر نہیں اترتی۔ اس کے نزول کا محل قرآن نے ذات نبی 'قلب نبی یا صدر نبی کو قرار دیا ہے ۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی بات پر دوسرے کے دلائل کے سامنے عاجز آجاتا ہے لیکن دل نہیں مانتا 'دوسرے کی بات دل میں نہیں اترتی لہٰذا اندر کے انسان میں تبدیلی نہیں آتی ۔ جو لوگ ہیروئن کا نشہ کرتے ہیں شاید آپ کو ان کا تجربہ ہو ۔ ہیروئن کے خلاف آپ انہیں دلائل دیں ۔ آپ کے دلائل کی درستی کو وہ تسلیم کرلیں گے لیکن اکثر نشہ نہیں چھوڑیں گے ۔ کیا کریں 'دل نہیں مانتا؟ یہ دل کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔

بقول غالب:

جانتا ہوں ثواب طاعت وزہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقل تو مان لیتی ہے 'انسان جان تو لیتا ہے لیکن بسا دل نہیں مانتا' طبیعت ادھر نہیں آتی ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام محمد ﷺ کے دل پر اتارا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جیسے یہ پیغام محمدؐ کے دل پر اترا ہے 'ہمارے بھی دل پر اترے۔

آپ سوال کرسکتے ہیں اور آپ کو حق ہے کہ سوال کریں کہ قرآن حکیم نے پھر عقل پر اتنا زور کیوں دیا ہے ۔ قرآن کریم کی پے در پے آیات عقل انسانی کو بلاواسطہ اور بالواسطہ خطاب کرتی ہیں پھر یہاں پر عقل کو پیچھے کیوں ہٹایا جارہا ہے ۔ بقول اقبال

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دیں

اسی طرح عقل و عشق کے معاملات میں شعراء نے ہمیشہ عقل کی مذمت کیوں کی ہے جبکہ قرآن مجید نے عقل کو بہت اہمیت دی ہے ۔ عام شعراء ہی نے نہیں صوفیاء اور عرفاء نے ہمیشہ عقل کی مذمت کی ہے اہل دل ہمیشہ عقل کی مذمت کیوں کرتے ہیں ؟اقبال کہتے ہیں :

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

کیا قرآن کسی اور عقل کی تائید کرتا ہے اور عرفاء کسی اور عقل کی مذمت کرتے ہیں ؟ زیر نظر پہلی آیت میں بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ ہم نے تمہیں سماعت 'بصارت اور عقل عطا کی ہے بلکہ سماعت وبصارت کے ساتھ دل عطا کیے جانے کا تذکرہ ہے ۔ ہم اس سوال کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہم نے ابھی جن آیات کا ذکر کیا ہے ان کے مطابق بعض لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ یہ دل کے اندھے ہیں ۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ بصارت سے نہیں بلکہ بصیرت سے محروم ہیں ۔ اسی طرح فرمایا گیا ہے : يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ یعنی اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہوجائیں گے ۔ ایک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ کیا اطمینان وخوف 'الفت ونفرت جیسے احساسات اور کیفیات کا تعلق ہمارے اس دل سے ہوتا ہے جو ہمارے سینے کے اندر ہے یا نہیں ؟ میں سمجھتا ہوں کہ ہوتا ہے ۔ آپ اکثر کہتے ہوں گے یا سنتے ہوں گے کہ " میرا دل دھک دھک کررہا ہے " یا " میرا دل ڈوب رہا ہے " یا " دل اچھل رہا ہے " یا " دل حلق سے باہر آرہا ہے "۔

یہ سب درست ہے ایسا ہی ہوتا ہے ۔ مختلف کیفیات اسی دل پر مختلف اثرات مرتب کرتی ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہنے کو تو یہ ایک پمپنگ مشین ہے لیکن انسانی جذبات وکیفیات سے لاتعلق اپنے کام میں مشغول نہیں ہے'اس پر ان چیزوں کا بلاواسطہ اثر ہوتا ہے۔

بعض اوقات بری خبر کسی تک پہنچانے کے لیے بہت احتیاط کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں اسے یہ خبر نہ پہنچانا وگرنہ اسکا ہارٹ فیل ہوجائے گا۔ اس ظاہری اور مادی دل کے ساتھ بہت سی معنوی اور روحانی حقیقتیں وابستہ ہیں۔ یہ مستقیماً انسان شناسی کا موضوع ہے معرفت الانسان کے علم سے اس کا تعلق ہے۔ انسان کے جسم سے اس کی روح کے تعلق کا مسئلہ معرفت انسان میں بڑا بنیادی مسئلہ ہے۔ دل کا انسانی بدن اور روح سے تعلق اسی کے ضمن میں لائق مطالعہ ہے۔ انسان کی اصل اس کی روح ہی ہے لیکن اس روح کی نشوونما اس بدن انسانی کے بغیر میسر نہیں۔ یہ مسئلہ پودے اور زمین کے باہمی تعلق سے ظریف تر ہے۔

دل کا بہت بڑا کردار قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔ قرآن کے نزدیک دل سنتے بھی ہیں بہرے بھی ہوتے ہیں' دیکھتے بھی ہیں' نابینا بھی ہوتے ہیں' تدبر بھی کرتے ہیں'الفت بھی کرتے ہیں اور نفرت بھی کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۤءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا

اللہ کی اپنے اوپر اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔ (۵)

پہلے جن کے دلوں میں باہم عداوت تھی اب بعثت نبوی کے صدقے میں وہ آپس میں جڑ گئے' قریب ہوگئے اور اب ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت پیدا ہوگئی۔

اسی طرح دل نرم بھی ہوتے ہیں اور سخت بھی' موم بھی اور پتھر بھی آپ سنگ دل" تو روز سنتے ہیں۔ شعراء کے پتھر کے صنم" کا ذکر تو آپ نے بہت سنا ہوگا۔ قرآن حکیم نے بھی سنگدلوں کا ذکر کیا ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً

پس ان کی عہد شکنیوں کے باعث ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کردیے۔ (٦)

انہوں نے نافرمانی کی' اللہ سے باندھا گیا عہد توڑ دیا تو اس وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو بہت سخت بنا دیا۔ یہ بھی فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ

پھر اس کے بعد تمہارے دل بہت سخت ہوگئے' اتنے کہ یہ پتھروں جیسے ہوگئے۔ (۷)

ایسے ہی نرم دلی کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کے بارے میں فرماتا ہے:

لَقَدْ جَآئَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے' جسے تمہارا رنج میں پڑنا بہت ناگوار گزرتا ہے۔ تمہاری بھلائی اسے بہت پسند ہے اور وہ مومنوں کے لیے تو نہایت شفیق اور مہربان ہے۔(۸)

اگرچہ آیت میں قلب کا لفظ نہیں آیا لیکن یہ سب پر آشکار ہے کہ رافت ورحمت کے جذبات کا تعلق دل سے ہے۔ ایک اور آیت ملاحظہ کیجیے جس میں خود رسول پاکؐ کو مخاطب قرار دیا گیا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

پس یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان کے لیے نرم دل واقع ہوئے ہو اگر تم تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے گرد سے منتشر ہوگئے ہوتے۔(۹)

حضرت ابراھیم کے حوالے سے اطمینان قلب کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔ انہوں نہ کہا: یا اللہ! تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم مانتے نہیں ہو؟ عرض کیا: مانتا تو ہوں' فقط اطمینان قلب کے لیے یہ منظر دیکھنا چاہتا ہوں)۔

علاوہ ازیں قرآن حکیم میں ایسی آیات بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن جس دل کا ذکر کرتا ہے وہ سمجھتا بھی ہے' عقل سے بھی کام لیتا ہے' خوف زدہ بھی ہوتا ہے خشوع بھی کرتا ہے' امتحان بھی دیتا ہے قرآن شریف میں ہے: ہم نے ان کے دلوں کا امتحان لے لیا ہے۔ دل مریض بھی ہوتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ....

ان کے دلوں میں روگ ہے۔(۱۰)

ان آیات سے پھر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مذکورہ دل کا مفہوم دل کے طبی مفہوم سے کہیں وسیع تر ہے۔ البتہ میڈیکل سائنس جس کے ساتھ سائیکالوجی کا الحاق ہوگیا ہے' میں بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

development ہو چکی ہے ۔ انسانی شناخت کا علم ترقی کر رہا ہے ۔ شعور اور لاشعور پر بہت عمدہ تحقیقات ہوئی ہیں۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ قرآن شریف کہیں گہرے مطالب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ قرآن دل کا باایمان اور بے ایمان ہونا بتاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ بات سادہ سی نہیں ہے۔

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ عقل اور دل میں کیا تفاوت ہے ،کیا اختلاف ہے؟ ہماری رائے یہ ہے کہ ان میں اصولاً کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ دونوں کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ ان دونوں کا اپنا اپنا کردار ہے اور اپنا اپنا مرحلہ ہے ۔ پہلا مرحلہ ہوتا ہے کسی بات کا سمجھنا اور دوسرا مرحلہ ہے اس کا دل نشیں ہونا اور دل میں جاگزیں ہونا ۔ بعض عرفاء جنہوں نے معرفت انسان کے حوالے سے غور و فکر کر کے عمدہ راز ہائے فطرت سے پردہ اٹھایا ہے، انہوں نے انسان کے ڈھانچے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ سر انسان کا سب چیزوں سے اوپر ہے ۔ یہ اس امر کی بھی علامت ہے کہ ہر دوسری چیز کو اس کے نیچے ہونا چاہیے ۔ دماغ سب سے اوپر ہے لہٰذا دماغی عمل اور ذہنی کام کا درجہ بھی سب سے پہلے ہے ۔ انسان کے تمام کاموں کو پہلے عقل کے معیار پر پرکھنے کی ضرورت ہے ۔ وہ جبلی خواہشات جن کا تعلق بدن کے دیگر حصوں سے بنتا ہے انہیں اس سر اور دماغ کے ماتحت ہونا چاہیے ۔ دل کو دماغ کے نیچے رکھا گیا ہے ۔ یہ انسانی بدن میں اپنی حیثیت خود ہی متعین کر رہا ہے ۔ خون تمام تر اسی کے ذریعے پمپ ہوتا ہے ۔ جذبات انسان کا سرچشمہ یہی ہے۔ ہاں ان جذبات کو عقل کے ماتحت ہونا چاہیے ۔ انسان کا اپنا ڈھانچہ اس راہ و روش کو متعین کرنے میں مدد دیتا ہے ۔ زندگی کا عملی تشکل بھی اس ڈھانچے کے مطابق ہونا چاہیے۔

انسان کی کیفیات گاہے ایسی ہوتی ہیں کہ کام تو کر رہا ہوتا ہے لیکن بے دلی کے ساتھ ۔ کبھی آپ نے کسی ضدی بچے کو اسکول جاتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ شاید ہم میں سے بھی بعض دوستوں کی اپنے دفتر آتے ہوئے کبھی ایسی ہی کیفیت ہوتی ہو ۔ اگرچہ ذھن کہتا ہے کہ دفتر جانا اہم ہے ،ضروری ہے لیکن دل نہیں چاہ رہا ہوتا ۔ یہی ضدی بچے اسکول سے گھر آ رہے ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ ان کا دل بھی شریک ہوتا ہے ۔ عقل کی باتیں جب دل نشین ہو جاتی ہیں تو انسان ان پر خوشی خوشی عمل کرتا ہے ،ان کے لیے خوشی خوشی حرکت کرتا ہے ،یا پورے اطمینان سے قدم اٹھاتا ہے۔

البتہ اگر ایک بات دل میں ہے لیکن وہ سر سے ہو کر نہیں آئی ،یعنی عقل نے اسے نہیں پرکھا ،فکر نے اسے نہیں جانچا اور وہ معیار عقل پر پوری نہیں اترتی تو پھر وہ دل میں بسا کر اور سینے سے لگا کر رکھنے کے قابل نہیں ہے ۔ سوچے سمجھے بغیر دل میں رکھی گئی باتوں کی صحت مشکوک ہوتی ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ اکثر دل کو بھی بیمار اور روگی کردیتی ہیں ۔ عقل کا کام حق وباطل اور سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا ہے۔

انسان کی سماعت وبصارت کو ٗ زبان وبیان کو اور ہاتھ پاؤں کو سب کو عقل کے ماتحت ہونا چاہیے۔ نیچے کے سارے اعضاء دل کی خواہشات پر حرکت کرتے ہیں اور ان خواہشات کو عقل کی نظارت سے ہوکر گزرنا چاہیے ۔ دل کے ارمان ہی نہیں دل کا ایمان بھی عقل کے مطابق ہونا چاہیے۔

ہم نے جن چیزوں کو دین سمجھ رکھا ہے ٗمذہبی عقائد قرار دے رکھا ہے اور ان کی بنیاد پر ہم بہت کچھ کرتے ہیں انہیں بھی پہلے عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت ہے ۔ انسان مذہبی عقائد کے نام پر دوسروں سے لڑتا ہے ٗجھگڑتا ہے ٗمارتا ہے اور مرتا ہے ٗاپنا سب کچھ مذہب کے نام پر تج کر دیتا ہے ٗ کیا اس نے ان کے بارے میں کبھی آزاد ہوکر سوچا ہے؟ میری رائے یہ ہے کہ ! اگر ہم اپنے نظریات وعقائد کو اپنی عقل پر پیش کرنا شروع کردیں تو مذہب کے نام پر ہونے والا زیادہ تر فساد فی الارض ختم ہوجائے۔

اگلی بات جو آپ سے کہنا ہے وہ یہ ہے کہ عقل کی جو باتیں دل نشین نہیں ہوتیں وہ بھی گویا ہوا کے دوش پر رکھے ہوئے چراغ کی طرح ہوتی ہیں ۔ دانائی اور بصیرت کی باتیں تو سینے سے لگا کر رکھنے کے قابل ہوتی ہیں ۔ اگر سنبھال کر نہ رکھی گئی ہوں تو پھر عقل بڑی حیلہ گر بھی ہوتی ہے ۔ وہ بڑی تاویلیں کرنے لگتی ہے۔ وہ بات سے بات نکال لیتی ہے۔

ایک شخص جسے ہم فقیہ کہتے ہیں ٗ وہ وسائل اجتہاد سے کام لیتے ہوئے غور وخوض کرکے ایک فقہی حکم نکال لاتا ہے ۔ فقط ظواہر احکام کو دیکھنے والا اس کے ظاہر پر عمل کرکے فارغ ہوجاتا ہے ۔ لیکن ایک عارف اور ولی خدا حکم پر کیفیات ایمانی کے ساتھ عمل کرتا ہے ۔ وہ اپنے آقا کے حکم کو دل میں بسا لیتا ہے۔ وہ اس کے ذریعے رضائے الہٰی اور لقائے الہٰی کی تمنا کرتا ہے۔ دین جب تک آرزو نہ بن جائے ٗتمنا نہ بن جائے اور ایمان نہ بن جائے اپنا صحیح کردار ادا نہیں کرسکتا اور اپنی مطلوبہ تاثیر پیدا نہیں کرسکتا۔ ہمارے عرفاء انہی کیفیات کو عشق کا نام دیتے ہیں وہی عشق جو اپنے ابتدائی مرحلے میں نپا تلا ہوتا ہے اور آخری مرحلے میں بے کراں ہوجاتا ہے یہ عشق فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تندی کندی میں نہیں بدلتی ٗاس کی شوخیاں ماند نہیں پڑتیں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہو جاتا ہے اور یہی وہ ایمان وعشق ہے جو انسان کے قدم بڑھانے میں قوت محرکہ کا کام دیتا ہے اور پرواز کے لیے بال جبریل بن جاتا ہے۔

یہ قوت محرکہ کا مسئلہ انفرادی طور پر بھی اہم ہے اور اجتماعی لحاظ سے بھی ۔ قوت محرکہ کے بغیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انفرادی حرکت بھی ختم ہوجاتی ہے اور معاشرتی رفتار بھی۔ کمیونزم کی تباہی اور نابودی کی ایک وجہ اہل نظر نے یہی بیان کی ہے کہ وہ اس قوت محرکہ سے محروم ہے جسے ہم ایمان کہتے ہیں اور جس کا ٹھکانا دل ہے۔ کمیونزم نے کہا کہ آپ خوب محنت کریں اور ماحصل میں سے صرف ضرورت کے مطابق لے لیں۔ ساتھ کمیونزم نے نظریات پر ہاتھ مارا اور کہا کہ معاشرے کی تمام تر حرکت کی بنیاد اقتصاد اور Ecnomics ہے۔ پھر کہا اس کائنات کا کوئی والی وارث نہیں۔ انسان حسن اتفاق یا سوئے اتفاق سے پیدا ہوگیا ہے۔ اپنی خلقت کے حوالے سے کوئی جواب دہی نہیں رکھتا۔ موت آئی تو مرجائے گا۔ موت اس کا اختتام ہے۔ پھر کہا کہ آپ اپنی اضافی آمدن بیماروں بوڑھوں اور بچوں کے لیے چھوڑ دیں اپنی محنت کا وہ نتیجہ جو آپ کی ابتدائی ضروریات سے زیادہ ہے وہ دوسروں کے لیے ایثار کریں اسے معاشرے پر قربان کردیں۔ لیکن کوئی ایسا کیوں کرے۔ اس نظام کے لیے وہ جان کیوں دے جس کے بعد ظلمت ناپیدا کنار ہے۔ جس کے بعد کوئی حیات نہیں عدم ہی عدم ہے وجود کا کوئی پتہ نہیں۔ جب یہی زندگی ہے تو اپنی کمائی دوسروں کے لیے کیوں چھوڑے؟ اس سوال کا کمیونزم کے پاس کوئی جواب نہیں۔ اس کا جواب "ایمان" والوں کے پاس ہی ہوسکتا ہے۔ جن کے پاس "ایمان" کا جذبہ محرکہ ہے وہ ایثار کریں گے اور مسکرا کر۔

سیدہ زینبؑ سب کچھ قربان کرکے اور امام حسینؑ جیسے بھائی کی شہادت کی خبر سن کر سجدہ ریز ہوگئیں اور اپنے مولا سے کہنے لگیں:

"پروردگارا! یہ قربانی ہم سے قبول فرما۔"(۱۱)

یہ سب ایمان کا ہی نتیجہ ہے۔ یہی وہ ایمان ہے جو دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے۔

وحی کا تعلق بھی دل سے بیان کیا گیا ہے۔ وحی اور ایمان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایمان پاک دل میں جاگزیں ہوتا ہے اور وحی انتہائی شفاف سینوں اور نہایت پاکیزہ دلوں پر اترتی ہے۔ وحی دراصل معرفت ودانائی کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین صورت کا نام ہے۔ البتہ اس کے بہت سے درجے ہیں۔ ایک درجہ تو حیوانوں کو بھی نصیب ہوجاتا ہے اور پھر ایک درجہ سب انسانوں کے لیے مساوی ہے۔ جس کی طرف قرآن حکیم نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰىهَا

یعنی نفس انسانی کو ہم نے فجور وتقویٰ ہر دو کی بصیرت کا الہام کیا ہے۔(۱۲)

پھر اس کے بعد بالاتر درجے ہیں: مثلاً فرمایا گیا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

جو لوگ ہماری طرف آنے کی جدوجہد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں ۔(۱۳)

یعنی ان دلوں پر ہدایت الٰہی کا نزول ہوتا ہے ۔ یہ الہام وہدایت دونوں دلوں پر نزول کرتے ہیں ۔ ہدایت یافتہ دل محبت بھی کرتے ہیں اور نفرت بھی، نرم بھی ہوتے ہیں اور سخت بھی۔ دل کو سخت ہونا بھی چاہیے ان چوروں کے لیے جو ایمان جیسا گوہر چرانے کے درپے ہوتے ہیں اور انہیں محبت کرنا ہی چاہیے ان نور بانٹنے والوں سے جو دلوں کی ظلمت کو روشنی میں بدل دیتے ہیں ۔ دلوں کو نفرت کرنا ہی چاہیے بری قدروں اور غلط راہ روش سے جو انسان سے اس کا شرف چھین لیتی ہیں اور پیار کرنا چاہیے اعلیٰ انسانی قدروں سے جنہیں ہم انبیاء کا لایا ہوا دین کہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

87

حوالہ جات

۱۔ سورہ النحل، ۷۸
۲۔ الحج، ۴۶
۳۔ النور، ۳۷
۴۔ الحجرت، ۱۴
۵۔ آل عمران، ۱۰۳
۶۔ المائدہ، ۱۳
۷۔ البقرة، ۷۴
۸۔ التوبة، ۱۲۸
۹۔ آل عمران ۱۵۹
۱۰۔ البقرة، ۱۰
۱۱۔ اللھم تقبل منا ھذا القربان
۱۲۔ الشمس، ۸
۱۳۔ العنکبوت، ۶۹

© rasailojaraid.com